خیابان خزاں ۲۰۲۳ء

افسانہ " بازیافت " اور دو بہنیں" کا نفسیاتی تجزیہ

نیلم گوہر،(پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور)
ڈاکٹر انوار علی،(اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور)

ABSTRACT

Psychology is a vast and fascinating science. It is a branch of philosophy. The best writer is one who is familiar with psychology of the characters they have crafted. Psychology is a science that studies the behavior of an individual in their environment. The expert in psychology, “Sigmund Freud”, first gave it scientific status through the analysis of psychoanalysis, laying the foundation of modern psychology.

Psychological complexities include pride, superiority, inferiority, sexual suppression, or any abnormal condition; if they cannot find a means of expression, the individual may suffer from various mental disorders. One of the perspectives in psychology is narcissism. Narcissism is a psychological term with its fundamental concept based on self-love and self-worship. Psychologists derived this term from Greek mythology, with Narcissus as the central character.

Praim Chand was the first social realist in Urdu literature. His stories have been studied from various perspectives, but it is important to analyze them from a psychological context. This article discusses the stories "دو بہنیں" (Two Sisters) and " بازیافت" (Recovery)" in the context of narcissism. In these stories, elements of false ego, competition, misperception, self-love, and self-advertisement, among other narcissistic traits, are evident.

Keywords: fascinating science, complexities, superiority, inferiority, sexual suppression, abnormal condition, Narcissism, Narcissism

نفسیات ایک وسیع اور دلچسپ علم ہے۔یہ فلسفے کی ایک شاخ ہے۔نفسیات کا اطلاق باقی شعبوں کی طرح ادب پر بھی ہوتا ہے۔اس کے ذریعے ادب کو سمجھنا اور سمجھانا ممکن ہے۔بہترین لکھاری وہ ہوتا ہے جو اپنے تراشے ہوئے کرداروں کی نفسیات سے واقفیت رکھتا ہو۔وہ تب تک بہترین کردار تراش نہیں سکتا جب تک وہ نفسیاتی حوالے سے خود کو اور معاشرے کو نہ سمجھ سکے۔

نفسیات ہی وہ آئینہ ہے جس میں لکھاری خود سمیت دوسروں کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ لکھاری کا مقصد صرف چند جملے لکھ کر اپنے من کا راگ الاپنا نہیں ہوتا۔ بلکہ معاشرے میں پھیلی بدصورتی کی عکاسی کر کے شعوری سطح پر اس کا سدِباب کرنا ہوتا ہے۔ کوئی بھی کردار تراشتے وقت اس کے سامنے صرف ذاتی تجربے نہیں ہوتے بلکہ اجتماعی نفسیات بھی ہوتی ہے۔ جو لکھاری کی زبان بول رہی ہوتی ہے۔

قدیم یونانی مفکرین کے افکار کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ علمِ نفسیات ایک زمانے تک فلسفے کے ساتھ جڑا تھا۔ ابتدا میں اسے "روح کا علم" کہا گیا۔ اسی طرح ماہرِ نفسیات سگمنڈ فرائیڈ نے سب سے پہلے تحلیل نفسی کے ذریعے اسے علمی حیثیت دیتے ہوئے جدید نفسیات کی بنیاد رکھی۔۔ اور اس علم کے درج ذیل مقاصد سامنے آ گئے:

۱۔ کردار اور ذہنی کیفیات کی پیمائش کرنا

۲۔ کردار اور ذہنی کیفیات کو سمجھ کر اس کی وجوہات تلاش کرنا

۳۔ لاشعور کی تہ تک رسائی ممکن بنانا

نفسیاتی الجھنیں چاہے احساسِ کمتری، برتری یا جنسی گھٹن کی وجہ سے ہوں دونوں صورتوں میں اگر اظہار کا وسیلہ نہ پا سکیں تو فرد کئی نسفیاتی امراض کا شکار ہو سکتا ہے۔ ان میں ایک مرض الفتِ ذات کی صورت میں سامنے آتا ہے جسے نفسیات کی زبان میں نرگسیت (Narcissism) کہا جاتا ہے۔ جس کا مفہوم حُبِ ذات، خود پسندی اور خود پرستی پر ہے۔ اپنی ذات سے محبت ایک صحت مند اور نارمل رویہ ہے لیکن خود کا بڑا ہوا احساس غیر متوازن شخصیت کو جنم دیتا ہے۔ جو بعد میں ذہنی امراض کا باعث بنتا ہے۔

نرگسیت کی اصطلاح ماہرین نفسیات نے یونانی داستانوں سے اخذ کی ہے۔ جس کا مرکزی کردار نرگس ہے۔ نرگس یونان کے ایک رعنا جوان کا نام تھا جو دریا کے دیوتا سیفیس (Cephissus) اور پری لری اوپ (Liriope) کی اولاد تھا۔ نفسیاتی حوالے سے حب ذات کے مریضانہ رجحانات اسی نرگس کی کہانی سے جڑے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر پی نیک نے ۱۸۹۹ء میں Narcissism کی اصطلاح کا پہلی بار طباعت کے لیے استعمال وضع کیا اور اس سے ایسے شخص کی دماغی کیفیت مراد لی جو اپنے آپ میں مشغول ہو کر ہر وقت اپنی جسمانی شکل و صورت کو بناتا سنوارتا ہے اور اس سے جنسی لذت حاصل کرتا ہے۔ فرائیڈ اسی اصطلاح کو الفتِ ذات کے معنوں میں استعمال کرتا ہے۔

ادب میں پہلی بار فرانسیسی مصنف رمے دی گورماں Ramey de Gormain نے پہلی مرتبہ نرگسیت (Narcissism) اور سپینی ناول نگار نے نرگسی (Naracissutic) کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ نفسیات میں اسے ادب کے بعد باضابطہ اصطلاحات کا درجہ ملا۔ (۱)

عام طور پر نرگسیت کو تو الفتِ ذات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، مگر تحلیلِ نفسی میں اس کی بنیاد جنس پر رکھی گئی ہے۔ بقولِ علی عباس جلال پوری:

> "تحلیلِ نفسی کی رو سے نرگسیت انا کی مریضانہ جنسیاتی صورت ہے، جو شخص
> اس میں مبتلا ہو وہ اپنی ذات کے سوا کسی سے محبت نہیں کر سکتا۔ معاشرتی
> علایق میں وہ اپنی انا ہی کو ہر قسم کے تعلقات کا معیار بنالیتا ہے۔ جو شخص اس
> کی انانیت کو سہارا دے وہ اس کا منظورِ نظر بن جاتا ہے اور جو اس کی خود بینی
> کی تشفی نہ کرے اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔"(۲)

نرگسیت میں مبتلا شخص صرف خود سے محبت کرنا جانتا ہے۔ اپنی ساری خامیوں کو پسِ پشت ڈال کر خود میں اتنا الجھ جاتا ہے کہ جس طرح کوئی عاشق اپنے محبوب کی ساری خامیاں بھول کا اس کی دلفریب اداؤں پر مرمٹتا ہے اور اس کے علاوہ اسے کچھ نظر نہیں آتا۔

کیرن ہارنی نے نرگسیت کی تعریف طبی کے بجائے سماجی حیثیت سے کرتے ہوئے اس کی ہمہ گیریت کو وسعت دی ہے۔ وہ نرگسیت کے دائرے میں خودستائی، غرور، طلب جاہ، جذبہ محبوبیت، دوسروں سے کنارہ کشی، خودداری، تصوریت، تخلیقی خواہشات، شدید فکرِ صحت، شکل و شباہت اور ذہنی

صلاحیت شامل کرتی ہیں۔ فرائیڈ کے مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے کے باوجود وہ نرگسیت کے حوالے سے وہ الگ موقف کی حامل ہیں۔ انہوں نے نرگسیت کو تحلیلِ نفسی سے منقطع کر کے اسے سماجی حیثیت دی۔

اردو ادب میں پریم چند ایک ایسے افسانہ نگار ہیں جنھوں نے اردو افسانوں میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے مختلف کرداروں کی نفسیات کو منفرد اندازسے اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ پریم چند کے زیادہ تر افانوں میں عورتوں کی نفسیات کی بہترین عکاسی کی گئی ہے۔ اوران کے ہر دکھ درد، مسائل، مجبوریوں اور دیگر پہلوؤں پر بات کی گئی ہے۔ ان کے رومانی ذہن نے عورتوں کی نفسیات کا بڑی مہارت سے مطالعہ کیا ہے۔ تب اس پر کھل کر لکھا ہے۔

یوں تو پریم چند کے اردو افسانوں میں نفسیاتی حوالے سے کئی حوالے موجود ہیں لیکن یہاں ان کا افسانہ " دو بہنیں " اور " بازیافت " کا نرگسیت کے حوالے سے جائزہ لیا جائے گا۔

پریم چند کے افسانوں میں عورت کے مختلف متحرک پیکر ملتے ہیں لیکن شعور اور لاشعور کے تصادم میں نرگسی عورتوں کا جو کردار سامنے آتا ہے وہ نہایت باریک بینی کا کام ہے۔ پریم چند نے اس مرحلے کو بڑی مہارت سے سر کیا ہے۔

مثلاً افسانہ "دو بہنیں" میں چھوٹی بہن رام دلاری کا حسن اور جوانی بڑی بہن کو کھٹکتی ہے۔ روپ کماری جو کہ ایک نرگسی کردار ہے حال میں رہتے ہوئے بھی وہ لاشعوری طور پر ماضی میں جی رہی ہوتی ہے۔ ڈھلتی جوانی اور محرومی کا اسے شدت سے احساس ہوتا ہے لیکن وقت کب کسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ تبدیلی وقت کا تقاضا ہے کہ ساری عمر کوئی حسین اور جوان نہیں رہ سکتا۔ ایک دن دونوں بہنوں کی ایک شادی میں ملاقات ہو جاتی ہے۔ رام دلاری کے حسن کو دیکھ کر روپ کماری فوراً ماضی میں لوٹ جاتی ہے اور اسے اپنی جوانی کی حسین یادیں کچھ یوں دکھائی دیتی ہے:

> " کہیں آئینہ ملتا تو وہ ذرا اپنی صورت بھی دیکھتی۔ گھر سے چلتے وقت اس نے
> اپنی صورت دیکھی تھی۔ اسے چمکانے کے لیے جتنا صیقل کر سکتی تھی، وہ کیا
> تھا لیکن اب وہ صورت جیسے یادداشت سے مٹ گئی ہے۔ اس کی محض ایک

دھندلی سی پرچھائیں ذہن میں ہے۔ اسے پھر سے دیکھنے کے لیے وہ بے قرار ہو رہی ہے۔ یوں تو اس کے ساتھ میک اپ کے لوازمات کے ساتھ آئینہ بھی ہے لیکن مجمع میں وہ آئینہ دیکھنے یا بناؤ سنگار کرنے کی عادی نہیں ہے۔ یہ عورتیں دل میں خدا جانے کیا سمجھیں۔ یہاں کوئی آئینہ تو ہو گا ہی۔ ڈرائینگ روم میں تو ضرور ہو گا۔ وہ اٹھ کر ڈرائینگ روم میں گئی اور قد آور شیشے میں اپنی صورت دیکھی۔ اس کے خدوخال بے عیب ہیں مگر وہ تازگی، وہ شگفتگی، وہ نظر فریبی نہیں ہے۔ رام دلاری آج کھل ہے اور اسے کھلے زمانہ ہو گیا۔ لیکن اس خیال سے اسے تسکین نہیں ہوئی۔ وہ رام دلاری سے ہیٹی بن کر نہیں رہ سکتی۔ یہ مرد بھی کتنے احمق ہوتے ہیں۔ کسی میں اصلی حسن کی پرکھ نہیں۔ انھیں تو جوانی، شوخی اور تناسب چاہیے۔ آنکھیں رکھ کر بھی اندھے بنتے ہیں۔ میرے کپڑوں میں تم دلاری کو لا کھڑا کرو پھر دیکھو یہ سارا جادو کہاں اُڑ گیا۔ چڑیل سی نظر آئے گی۔ ان احمقوں کو کون سمجھائے۔"(۳)

اس متن میں روپ کماری کی خود پسندی اور نرگسیت واضح انداز میں ملتی ہے۔ اس میں پریم چند نے شعور اور لاشعور کے تصادم کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے بات واضح ہے جب روپ کماری نے اپنی بہن رام دلاری کو دو سال قبل اپنی شادی میں دیکھا تھا تو وہ اتنی خوبصورت نہیں تھی جتنی اب کھلی ہوئی ہے۔ حقیقت کے ہوتے ہوئے بھی روپ کماری اسے فریب نظر سمجھتی ہے اور کہتی ہے:

"یہ حسن نہیں محض دیدہ زیبی ہے۔ ریشم، مخمل اور سونے کی بدولت تھوڑا ہی بدل جائے گا۔ پھر بھی وہ آنکھوں میں سمائی جاتی ہے۔ پچاسوں عورتیں جمع ہیں مگر یہ کشش اور کسی میں نہیں۔ اس کے دل میں حسد کا ایک شعلہ سا دہک اٹھا۔"(۴)

روپ کماری کے نرگسی رجحان کا یہ تقاضا تھا کہ وہ خود کو زیادہ خوبصورت سمجھے۔ اس کے ذہن میں رام دلاری کا جو نقشہ تھا وہ اس کو لے کر رام دلاری کو دیکھنا چاہتی تھی۔ وہی رام دلاری جو بد تمیز، زرد رو، دبلی پتلی اور ذرا ذرا سی بات پر روٹھنے والی لیکن اس کو دیکھ کر وہ کشمکش کا شکار ہو جاتی ہے اور ماضی میں خود کو ڈھونڈنے لگتی ہے۔ ڈرائیگ روم کے قد آدم شیشے میں خود کو چھپ کر دیکھنا نرگسی رجحان کو واضح کرتا ہے۔

جب نرگسی شخص کی تصوراتی دنیا ٹوٹتی ہے تو وہ دوسروں کو موردِ الزام ٹھہراتا ہے۔ روپ کماری جب اپنے آپ کو شیشے میں دیکھتی ہے تو کہتی ہے خد و خال بے عیب ہیں اور اپنے آپ کو رام دلاری کے پیکر میں کھڑا کرنے کی کوشش کرتی ہے تو اسے مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ روپ کماری میں وہ تازگی اور شگفتگی کہاں گئی؟ یہاں وہ اس تصور کو توڑنا چاہتی ہے یہ کہہ کر کہ مرد احمق ہیں۔ انھیں حسن کی پرکھ نہیں۔ نرگسی شخص کبھی بھی اپنے آپ کو غلط نہیں کہتا۔ وہ کہتا ہے دنیا اس کے حساب سے چلتی ہے۔ زمانے کے انداز اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ خود کو جس حالت میں دیکھنا پسند کرے، چاہتا ہے دوسرے بھی اس کو اسی نظر سے دیکھے لیکن ہر بندے کی اپنی ذہنیت اور مزاج ہوتا ہے۔ روپ کماری ہمیشہ خود کو جوان دیکھنا پسند کرتی ہے۔ غیر شعوری طور پر وہ رام دلاری سے خود کو بہتر سمجھنا چاہتی ہے۔ اس لیے وہ نرگسی حملہ آور کی طرح پہلے مرد کی نظر پر حملہ کرتی ہے پھر ریشم، مخمل اور سونے کو یہ کہہ کر اپنی انا کو تسکین دیتی ہے:

"میرے کپڑوں میں تم دلاری کو کھڑا کر دو پھر دیکھو یہ سارا جادو کہاں اڑ گیا۔
چڑیل سی نظر آئے گی۔ ان احمقوں کو کون سمجھائے"(۵)

دیکھا جائے تو روپ کماری کے کردار میں سیمابیت ہے۔ اس کے اسی رجحان کے گرد تمام کہانی گھومتی ہے۔ شکست کے احساس کو وہ قبول نہیں کرتی۔ لہٰذا خود پسندی، رام دلاری کی ذات، اس کے شوہر کی آمدنی اور اس کے گھر کے کسی چیز کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ اس کی لاشعوری خواہش کا اندازہ اس گفتگو سے کیا جا سکتا ہے:

"رام دلاری نے جیسے رحم کی آنکھوں سے دیکھ کر کہا" جیجا جی کی کوئی ترقی ہوئی کہ نہیں بہن یا ابھی تک وہی پچھتر پر قلم گھس رہے ہیں۔ روپ کماری کے بدن میں آگ سی لگ گئی۔"

روپ کماری: (اکڑ کر بولی): "ترقی کیوں نہیں ہوئی، اب تو سو کے گریڈ میں ہیں۔ آج کل یہ بھی غنیمت ہے۔ نہیں تو اچھے اچھے ایم اے پاس کو دیکھتی ہوں کہ کوئی ٹکے کو نہیں پوچھتا۔ تیرا شوہر اب بی۔اے میں ہو گا۔"

رام دلاری: انہوں نے تو پڑھنا ہی چھوڑ دیا بہن، پڑھ کر اوقات خراب کرتا تھا اور کیا، ایک کمپنی کے ایجنٹ ہو گئے ہیں۔ اب ڈھائی سو روپیہ ماہوار پاتے ہیں۔ کمیشن اوپر سے پانچ روپے اور سفر خرچ کو بھی ملتے ہیں۔ یہ سمجھ لو پانچ سو کا اوسط پڑ جاتا ہے۔ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تو ان کا ذاتی خرچ ہے؛ بہن اونچے عہدے پر تو ہیں تو اچھی حیثیت بھی بنائے رکھنا لازم ہے، ساڑھے تین سو روپیہ بے داغ گھر دیتے ہیں۔ اس میں سو روپے مجھے ملتے ہیں، ڈھائی سو میں گھر کا خرچ خوش فعلی سے چل جاتا ہے، ایم۔اے پاس کر کے کیا کرتے۔"(۶)

روپ کماری کے لیے یہ داستان شیخ چلی کی داستان سے کم نہ تھی لیکن رام دلاری کا حسن اور جوانی پہلے ہی اس کے ذہن کو چھبتی ہے۔ اس لیے اس کا تحت الشعور متاثر ہو ہی جاتا ہے۔ نرگسی شخص جب جوابی حملہ کرتا ہے تو ہوش و حواس میں ہوتا ہے۔ یہاں روپ کماری کی نرگسیت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ پہلے اپنے ہوش و حواس سنبھالے پھر اس کے بعد جوابی حملہ کرے۔ اپنے آپ کو یقین دلانے کے لیے کہ یہ جھوٹ ہے۔ جوابی حملہ کچھ یوں کرتی ہے:

"جب ایجنٹی میں اتنی تنخواہ اور بھتے ملتے ہیں تو کالج بند کیوں نہیں ہو جاتے؟ ہزاروں لڑکے لڑکیاں اپنی زندگی خراب کرتے ہیں۔"(۷)

نرگسی شخص کبھی بھی اپنی شکست تسلیم نہیں کرتا۔ وہ بحث پر بحث کرتا ہے۔ اندر ہی اندر وہ خوب سمجھ رہا ہوتا ہے کہ وہ ہار چکا ہے لیکن دوسروں کو اذیت میں دیکھنا اور ان کی چیزوں کا مذاق اُڑانا، ایک نقطے پر اپنے خیالات کو مرکوز نہ کرنا، اپنی خواہشات کو مختلف طریقوں سے پورا کرنے کی کوشش کرنا۔ اس سے وہ اپنی انا کو تسکین دیتا ہے۔

روپ کماری جانتی ہے کہ وہ ہر قدم پر شکست کھا رہی ہے۔ تبھی تو جب وہ گھر پہنچتی ہے تو ہر چیز سے بیزار رہتی ہے۔ اسے اپنا گھر قبرستان لگتا ہے حتیٰ کہ اپنے شوہر اور بچے بھی برے لگتے ہیں لیکن ایک دن جب رام دلاری کا شوہر نشے میں دھت ان کے گھر آ جاتا ہے اور بے خودی میں سب کچھ کہہ دیتا ہے کہ وہ ایک خفیہ فروش کا ایجنٹ ہے تو یہاں روپ کماری کو زبردست نفسیاتی سکون ملتا ہے اور چاہتی ہے کہ جلدی جا کر رام دلاری کو ہرا دے یعنی جس گھر وہ شکست کھا کر آئی تھی اب وہاں ایک فاتح کی حیثیت سے جانا چاہتی ہے۔ انتقاماً خود کو خوش قسمت اور اس کو حقارت سے دیکھنا شروع کرتی ہے۔ یہ عمل سیمابی ہے۔ شوہر سے کہنا کہ مجھے رام دلاری کے گھر پہنچا دو اور ان کے ڈرائینگ روم کے آئینے میں خود کو دوبارہ دیکھنا اس کی نرگسیت کو واضح کرتا ہے۔ احساس محرومی سے احساس برتری تک کا سفر نرگسی شخص کا محبوب ترین عمل ہوتا ہے۔

افسانہ "بازیافت" کی عورت بھی نرگسی ہے۔ اس کے ابھرتے ہوئے نرگسی رجحان میں اس کے شوہر کی شخصیت ایک پس منظر ہے۔ گھر کے ماحول اور خصوصاً ساس اور نندوں سے اس کے احساسات پوشیدہ ہیں۔ ان کے رویے کی وجہ سے وہ ہمیشہ احساس کمتری کا شکار رہتی ہے۔ جب کبھی وہ اپنی خودی کو سامنے لانا چاہتی ہے تو گھر والوں کا رویہ اس کی شخصیت میں ہلچل پیدا کر دیتا ہے۔ رامائن پڑھتی ہے، برت رکھتی ہے، چندر جی کی تلاش میں نکلتی ہے اور ان کی باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کے مطابق شوہر ایک دیوتا ہے اس کے ہر اشارے پر عمل کرنا فرضِ عین ہے۔ وہ کہتی ہے:

"یہ کیسے کہوں کہ مجھے بناؤ سنگھار سے نفرت تھی، نہیں اس کا مجھے اتنا شوق تھا
جتنا ہر ایک عورت کو ہوتا ہے، جب مرد اور بچے بھی نمائش پر جان دیتے ہیں

تو میں تو عورت ہی ہوں۔ اب تک جو میں اس سے محترز رہتی تھی وہ اپنے اوپر بہت جبر کر کے۔ میری اماں اور دادی نے ہمیشہ مجھے یہی کہا کہ بناؤ سنگھار کی عادت اچھی نہیں وہ مجھے کبھی آئینے کے سامنے کھڑے دیکھ کر پاتیں تو لعن طعن کرنے لگتیں۔"(۸)

میکے میں یہ رکاوٹ اس کے ہیجانات کو متاثر کرتی ہے۔ سسرال میں بھی ایسا ماحول ملتا ہے کہ وہ اپنی ایگو کے مطالبات پورے کرنے سے گریز کرتی ہے اور رامائن پڑھنے میں خود کو مصروف رکھتی ہے۔ شوہر تو علامت کی حیثیت سے ایک سہارا بنتا ہے اور آخر کار اس کا نرگسی رجحان سامنے آ جاتا ہے پھر:

"گھر کے دھندے میں اب مجھے مطلق دلچسپی نہ تھی۔ میرا وقت یاتو اپنے بناؤ سنگھار میں صرف ہوتا تھا یا پھر پڑھنے لکھنے میں۔ کتابوں سے مجھے عشق سا ہونے لگا تھا۔"(۹)

نرگسی شخص ہمیشہ الفتِ ذات میں گرفتار رہتا ہے۔ اپنے علاوہ ایسے شخص کو دوسرا محبت کے قابل نظر ہی نہیں آتا۔ دوسروں کی تحقیر کرنا اور خود کا حد سے بڑھا ہوا احساس نرگسیت کے دو بڑے حوالے ہیں۔ بازیافت کی نرگسی عورت ہمیشہ ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے۔ ایک طرف ایگو کی بھوک مٹاتی ہے تو دوسری طرف ساس اور نندوں کے طعنے سنتی ہے لیکن توجہ نہیں دیتی کیونکہ وہ اپنی خیالی دنیا بسا چکی ہے اور اسی کے مطابق زندگی گزارتی ہے۔ کوئی اس میں مداخلت کرتا ہے تو اسے ناگوار لگتا ہے۔

"مجھے اپنی شخصیت کا احساس ہونے لگا، اماں کوئی کام کرنے کو کہتی تو میں اسے ادبدا کر ٹال جاتی ہوں۔"(۱۰)

شخصیت کا یہ احساس آہستہ آہستہ گہرا ہو جاتا ہے۔ پہلی جو بھیگی بلی بن کر ہر کسی سے دبی رہتی تھی اب اپنی ذات پر ایک برا لفظ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ جب اس کی ساس اسے ڈانٹتی ہے تو اپنی ذات کو اپنے شوہر کے سامنے نمایاں کر کے اسے اپنی موجودگی کا احساس دلاتی ہے اور شوہر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے:

"دیکھا نا تم نے آج اماں کا غصہ یہی سختیاں اور زیادتیاں ہیں جن سے عورتوں کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ ایسی باتوں سے کتنی روحانی کوفت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ زندگی وبال ہو جاتی ہے، کلیجہ چھلنی ہو جاتا ہے اور انسان کا ذہنی نشوونما اسی طرح رُک جاتا ہے جیسے ہوا اور دھوپ کے نہ ملنے سے پودے افسردہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ہماری معاشرت کا نہایت تاریک پہلو ہے اور اس نے ہماری قومی کلیت میں خاص حصہ لیا ہے۔"(۱۱)

شوہر کی ان باتوں سے اس کے نرگسی رجحان کو اور تقویت مل جاتی ہے۔ اس کی شخصیت میں ایک اٹھان سی پیدا ہو جاتی ہے جو پودا افسردہ تھا اب اسے ہوا اور دھوپ دونوں مل جاتی ہیں۔ جب شوہر کہتا ہے:

"ایسی حالت میں دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو ہمیشہ ان کی گھرکیاں جھڑکیاں سہے جاؤ یا اپنے لیے کوئی دوسرا راستہ نکالو۔"(۱۲)

نرگسی شخص کبھی بھی کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔ اس کے لیے یہ کسی قید سے کم نہیں ہوتا۔ جب دوسرا کوئی ان کے کام میں ٹانگ اڑائے۔ جب شوہر کہتا ہے کہ کسی دوسرے شہر جاکر ڈیرہ جما لیتے ہیں تو اس کی مخالفت تو نہیں کرتی لیکن گریز کے لیے ذہن تیار کر لیتی ہے:

"گو اکیلے رہنے کا خیال کر کے کچھ طبیعت سہمتی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی آزادیوں کے خیال سے دل میں ایک ولولہ و مسرت پیدا ہوتا ہے۔"(13)

شوہر کی بات پسند آتی ہے لیکن اپنے دل کی بات اس پر ظاہر نہیں کرتی دوسرا شہر اس کے لیے کسی جنت سے کم نہیں ہوتا کیونکہ آزادی اور تنہائی جو مل رہی ہوتی ہے غیر شعوری طور پر اسے تنہائی کی اس منزل کی تلاش تھی جہاں وہ خود کو نمایاں کر کے ذات کو آئینہ بنا کر سکے۔ اسی طرح الہ آباد آکر اسے آزادی مل جاتی ہے:

"اب میں گھر کے کام کاج سے بالکل آزاد ہو گئی، بیکاری سے جی گھبر اتا تو کوئی نہ کوئی ناول پڑھنے لگی۔"(14)

نرگسی شخص اپنی زندگی کے بڑے بڑے واقعات یا بڑے بڑے لوگوں کی ملاقاتوں کو مزے لے لے کر بیان کرتا ہے۔ بڑے لوگوں کی نقالی کر کے ذہنی سکون حاصل کرتا ہے۔

اس افسانے میں نرگسی عورت بھی جب نئے شہر آتی ہے تو سب سے پہلے ایک عیسائی عورت سے انگریزی پڑھتی ہے اور گانا بھی سیکھتی ہے۔ نئی سوسائٹی میں اس کے طرزِ گفتگو، طرزِ معاشرت اور طرزِ خیال میں کافی حد تک تبدیلیاں آ جاتی ہیں۔ اس کی انفرادیت اس حد تک ابھرتی ہے کہ ابتداء میں وہ حسرت سے کہتی ہے کہ:

"میں ان لیڈروں کو کبھی متفکر اور اداس نہیں دیکھتی مسٹر داس سخت بیمار تھے لیکن مسز باگڑا روزانہ ٹینس کھیلنے جاتی تھیں۔"(15)

اسی وجہ سے اسے دیکھ کر وہ بھی لاشعوری طور پر مسز باگڑا بن رہی ہے اور آئینے میں دیکھ کر کہتی ہے:

"ان لیڈروں کی حرکات وسکنات میں ایک جادو تھا جو مجھے بے اختیار ان کی طرف کھینچتا تھا۔ میں انھیں ہمیشہ تفریح ومشاغل پر آمادہ دیکھتی اور میرا جی بھی چاہتا تھا کہ انھیں کی طرح بے باک ہوتی۔"(16)

یہی وہ منزل ہے جہاں اپنی ذات سے ہٹ کر کوئی چیز محبوب نہیں۔ اب ذات پیدا ہو گئی ہے۔ نرگسی ذہن علامتوں کو توڑنے کا قائل ہوتا ہے۔ انفرادی "انتخابیت" کا عمل جاری ہے۔ ہر جگہ صرف "میں" کو جینے کی لگن ہے۔ ذات کا احساس اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے اسے یہ جنت نصیب ہوئی ہے۔ اس تک کو بھول جاتی ہے۔ کہتی ہے:

"تعجب کی بات ہے کہ مجھے اب بابوجی (شوہر) پر وہ کامل عقیدت نہ رہی تھی۔ اب اس کو ذرا سے سر دکھنے پر میرا دل نہ دکھتا تھا۔ میری شخصیت کا نشو ونما ہونے لگا تھا۔ اب میں اپنا بناؤ سنگھار اس لیے کرتی تھی کہ یہ میرا دنیاوی فرض ہے۔ اس لیے نہیں کہ میں کسی فردِ واحد کی پابند ہوں، مجھ میں اپنے نشہ حسن سے مخمور ہونے کا مادہ پیدا ہونے لگا تھا جو نمودِ حسن کی پہلی منزل ہے۔ منشائے زندگی کی جو تعلیم بچپن میں دی گئی تھی اب وہ مجھ سے محو ہونے لگی تھی۔ میں اب کسی دوسرے کے لیے نہ جیتی تھی۔ اپنے لیے جیتی تھی۔ بے نفسی اور قربانی کی اسپرٹ مجھ سے مفقود ہو چکی تھی۔"(17)

نرگسیت کی انتہا دیکھنے کی قابل ہے، "میں" کی آواز سے اس کے ہیرو کا بت ٹوٹ چکا ہے۔ اب عورت کا آئینہ اس کے سامنے ہے اور اپنی ذات سے اتنی محبت ہو گئی ہے کہ کسی کا لحاظ نہیں کرتی اور نہ کسی کا احساس کرتی ہے:

"اب مجھے اندازہ ہوا کہ شوقِ نمود میں کتنی زبردست قوت ہے۔ میں اب نت نئے سنگھار کرتی، نت نئے روپ بھرتی، محض اس لیے کہ کلب میں میں

ہی سب کی نگاہوں کا مرکز بن جاؤں۔ اب مجھے بابو جی کی آرام و آسائش اور
ضرورت کے مقابلے میں اپنے سجاؤ بناؤ کا زیادہ خیال رہتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ
شوق ایک نشہ سا ہو گیا۔"(18)

ذات کو نمایاں کر کے دوسروں سے داد وصول کرنا نرگسی شخص کی کمزوری ہوتی ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ چاہتا ہے کہ لوگوں سے تعریفیں سمیٹے چاہے جھوٹی ہی کیوں نہ ہو لیکن لوگ اس کی تعریف ضرور کرتے۔ اس عورت کو بھی داد سمیٹنے کی بیماری ہے۔ دکھاوا اور فریب کی زندگی بسر کر رہی ہے:

"دادِ حسن ملنے سے مجھے ایک غرور آمیز مسرت حاصل ہونے لگی، میرے
احساسِ غیرت میں بھی ایک عجیب وسعت اور لچک پیدا ہو گئی۔ وہ نگاہیں جو
کبھی میرے جسم کا ایک ایک رویاں کھڑا کر دیتیں، وہ کنایے اور بذلہ سنجیاں
جو مجھے زہر کھا لینے پر آمادہ کر دیتیں ان سے مجھے ایک شورش انگیز مسرت
حاصل ہوتی تھی۔"(19)

اس افسانے کی نرگسی عورت کی شخصیت میں پیچیدگیاں اس وقت پیدا ہو جاتی ہیں جب اس کا شوہر بیمار ہو جاتا ہے اور وہ کشمکش کا شکار ہو جاتی ہے۔ نرگسی شخص ہمیشہ ذہنی الجھاؤ کا شکار رہتا ہے۔ اب وہ یہ فیصلہ کرنے میں الجھاؤ کا شکار ہے کہ اسے بیمار شوہر کے پاس رکنا چاہیے یا کلب جانا چاہیے۔ اس کے پاس شوہر کو دینے کے لیے وقت نہیں ہوتا کیونکہ بار بار اس کی ایگو اسے اپنی خواہش کی تکمیل پر آمادہ کرتی ہے:

"ٹینس کا وقت آیا تو میں اس پس و پیش میں پڑی کہ جاؤں کہ نہ جاؤں، بہت
دیر تک دل میں یہی کشمکش ہوتی رہی۔ آخر میں نے فیصلہ کیا کہ میرے یہاں
رہنے سے یہ اچھے تو ہوئے ہی نہیں جاتے۔ اس لیے یہاں بیٹھے رہنا فضول
ہے۔ میں نے اچھے کپڑے پہنے اور ریکٹ لے کر کلب گھر جا پہنچی۔"(20)

نرگسی شخص کی اداکاری بڑی جاندار ہوتی ہے۔ حقیقی زندگی میں ناٹک کرنا اس کا محبوب ترین مشغلہ ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے وہ دوسروں کی توجہ حاصل کرتا ہے۔ خود کو توجہ کا مرکز بنا کر لوگوں سے ہمدردیاں سمیٹتا ہے۔ یہ عورت بھی کچھ ایسا سوچ کر ہمدردیاں بٹورنا چاہتی ہے:

"ایک دن سہ پہر کے وقت میں آرام سے کرسی پر لیٹی ہوئی انگریزی کتاب پڑھ رہی تھی کہ مجھے خیال آیا کہیں بابو جی کا بخار مہلک ثابت ہوا تو! لیکن اس خیال سے مجھے ذرا بھی دہشت نہیں ہوئی۔ میں اس ملالِ تخیل کا مزہ اٹھانے لگی۔ مسز داس، مسز نائیڈو، مسز سریواستویہ، مس کھرے، مسز شرغہ، کس گھوش ضرور تعزیت کرنے آئیں گی۔ انھیں دیکھتے ہی میں آنکھوں میں آنسو بھرے اٹھوں گی اور کہوں گی۔ بہنو! میں لٹ گئی، ہاں میں لٹ گئی۔ اب میری زندگی اندھیری رات ہے یا ہولناک جنگل یا شمع مزار۔ لیکن میری حالت پر غم اظہار مت کرو مجھ پر جو گزرے گی میں اس کامل انسان کی نجات کے خیال سے بخوشی سہہ لوں گی۔"(21)

یہ نرگسی عورت ذہن میں پورا منظر تیار کر لیتی ہے۔ ماتمی لباس تک کا سوچ لیتی ہے کہ وہ جنازے کے دن کون سا لباس پہنے گی۔ ادھر ادھر سے بڑے بڑے لوگوں کے تعزیتی خط موصول ہوں گے۔ اس طرح اس کی شہرت دور دور تک پھیل جائے گی اور کس طرح اخباروں میں ایک خط لکھ کر فرداً فرداً اپنے ہمدردوں کے تعزیت ناموں کا جواب دینے کے تعلق سے معذرت چاہے گی۔

نرگسی شخص بعض حقیقتوں کو اپنے تخیل کی طلسمی فضا میں کس طرح فسانوں میں تبدیل کر دیتا ہے یہ افسانہ اس کی عمدہ مثال ہے۔ یہ عورت اپنی خیالی دنیا میں اس قدر کھوئی ہوئی ہے کہ نرس آکر اس کو کہتی ہے کہ آپ کو صاحب بلا رہے ہیں۔ اچانک طلسمی دنیا کے شیشوں کے ٹوٹنے کی آواز آتی ہے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شوہر کے کمرے کی طرف اس کے قدم کس طرح بڑھے ہوں گے۔ اسے سانس

لیتا دیکھ کر اس کی خیالی دنیا اسے کیسے یاد آئی ہو گی۔ یہاں ہمدردی کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے اور شوہر کو دیکھ کر اس پر رحم کھانے لگتی ہے:

"مجھے ان پر رحم آگیا، بیٹھ گئی اور ہمدردانہ انداز سے بولی، کیا کروں، کوئی ڈاکٹر بلاؤں۔"(22)

لیکن اصل چوٹ اس عورت کی نرگسیت پر تب پڑتی ہے جب اس کا شوہر ضد کرتا ہے کہ وہ واپس ماں کے پاس جانا چاہتا ہے۔ یہ اس بات کو محض ایک خیال سمجھ کر ٹال دیتی ہے لیکن جب شوہر بار بار ضد کرتا ہے تو اس کا دل ایک نامعلوم خوف سے کانپنے لگتا ہے۔ شوہر کی ضد اور عورت کی نرگسیت کے مابین تصادم شروع ہو جاتا ہے۔ جیت شوہر کی ہوتی ہے لیکن نرگسی عورت کو وہ فریب کی دنیا، وہ آزادی اور تنہائی بار بار ستاتی ہے۔

پریم چند اس افسانے میں اصلاحی نقطہ نظر کا سہارا لے کر اس عورت کو واپس سسرال بھیج دیتا ہے اور اس کے ہاتھ میں دوبارا رامائن اور مہابھارت پکڑا دیتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ تباہی سے بچ گئی۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو پریم چند کے مذکورہ دونوں افسانے "بازیافت" اور "دو بہنیں" میں انسانی نفسیات کی حقیقی عکاسی کی گئی ہے۔ ان افسانوں میں عورت کی نرگسیت کے مختلف روپ دکھائے گئے ہیں۔ عورت میں ویسے بھی نرگسیت اور چاہے جانے کا عنصر زیادہ ہوتا ہے لیکن جب نرگسیت کا بت اس کے اعصاب پر سوار ہو جاتا ہے تو وہ نفسیاتی عوارض کا اتنا شکار ہو جاتی ہے کہ اسے دنیا میں اپنی ذات کے علاوہ کوئی اور نظر ہی نہیں آتا۔ ایسی عورت نمود و نمائش اور دکھاوے کو حاصل زندگی سمجھتی ہے۔ اس کا ہر فعل اور ہر عمل دکھاوے کے قالب میں ڈھل جاتا ہے۔ پریم چند نے مذکورہ افسانوں میں عورت کی نفسیات کے حوالے سے نرگسیت کی پرتیں کھولنے کی کوشش کی ہے۔

حوالہ جات

1. ڈاکٹر سلیم اختر، تخلیق اور لاشعوری محرکات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۶۵

2. سید علی عباس جلال پوری، جوش ملیح آبادی "یادوں کی برات کے آئینے میں" مشمولہ: فنون اپریل، مئی ۱۹۷۲ء، شمارہ ۵۔۶، ص ۵
3. پریم چند (کلیات پریم چند (۱۴)، مرتبہ: مدن گوپال، قومی کونسل برائے فروغِ اردو، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ص ۵۰۴
4. ایضاً
5. ایضاً، ص ۵۰۵
6. ایضاً، ص ۵۰۷
7. ایضاً
8. پریم چند (کلیات پریم چند (۱۰)، مرتبہ: مدن گوپال، قومی کونسل برائے فروغِ اردو، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء ص ۲۱۱
9. ایضاً، ص ۲۱۲
10. ایضاً
11. ایضاً
12. ایضاً، ص ۲۱۳
13. ایضاً
14. ایضاً، ص ۲۱۵
15. پریم چند (کلیات پریم چند (۱۰)، مرتبہ: مدن گوپال، محولہ بالا، ص ۲۱۶
16. ایضاً
17. ایضاً
18. ایضاً، ص ۲۱۷
19. ایضاً
20. ایضاً، ص ۲۱۸
21. ایضاً، ص ۲۱۹

22. ایضاً، ص ۳۲۰